© rasailojaraid.com

بیمہ کی حقیقت و شرعی حیثیت

(۲)

از مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

"بیمہ" کی حقیقت کے بعد اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں (بیرونِ ہند کے) علمار کی رائیں بلا تبصرہ درج ذیل ہیں:

بحری بیمہ کو شامیؒ نے دار الحرب میں جائز اور دار الاسلام میں ناجائز کہا ہے

ابن عابدینؒ (پیدائش ۱۱۹۸ھ ۱۷۸۴ء وفات ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء) کے زمانہ میں موجودہ بیمہ کا رواج نہ تھا صرف بحری بیمہ کی ایک شکل "سوکرہ" کے نام سے رائج تھی جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

> "تاجروں کی یہ عادت ہے کہ جب وہ مالِ تجارت کے لئے کسی "حربی" سے مال بردار جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو کرایہ کے علاوہ مزید ایک متعینہ رقم اس کے حوالہ کرتے ہیں تاکہ وہ دوسرے حربی سے مال پہونچانے کا معاملہ کرلے۔ یہ حربی دار الحرب کا باشندہ ہوتا ہے۔ جو امن حاصل کرکے دار الاسلام کے سرحدی مقامات پر ٹھہرتا ہے یہ شخص گویا وکیل اور مال پہونچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر تجارتی مال کو راستہ میں جلنے ڈوبنے اور لُوٹنے سے کوئی نقصان پہونچا تو یہ شخص اسی متعینہ رقم کے عوض نقصان کی پوری تلافی کرتا ہے۔ اس رقم کو "سوکرہ" اور اس پر معاملہ کرنے والے کو صاحب سوکرہ کہتے ہیں۔"[1]

---

[1] رد المختار کتاب الجہاد باب المستامن فصل فی استئمان الکافر ص ۱۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لفظ "سوکرہ" دراصل "SECURITE" سے عربی بنایا گیا ہے جس کے معنی فرانسیسی زبان میں "امان و اطمینان" ہیں۔

کلامِ عرب میں "بیمہ" کے لئے پہلے یہی لفظ مستعمل تھا اب "عقدِ تامین" اس کے لئے وضع ہوگیا ہے[۱] نیز پہلے اس کا تعلق حربی و دارالحرب سے تھا اب ہر جگہ اس کا رواج عام ہوگیا ہے۔

ابن عابدین کے زمانہ میں بیمہ کی جو شکل رائج تھی اس کو انھوں نے دارالاسلام میں ناجائز اور دارالحرب میں جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

انہ لا یحل للتاجر اخذ بدل الھالک من مالہ لان ھذا التزام ما لا یلزم	تاجر کے لئے ہلاک ہونے والے مال کا بدل وصول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی شے کا التزام ہے جو لازم نہیں ہے۔

"التزام ما لا یلزم" کا مطلب یہ ہے کہ حربی ایجنٹ نے نقصان کی صورت میں تلافی کی ذمہ داری لی تھی جبکہ شرعی حیثیت سے یہ تلافی مستامن امن حاصل کرنے والے کے ذمہ نہ تھی اس طرح مستامن نے اپنے ذمہ ایک ایسی شی کو لازم کیا جو دارالاسلام میں اس کے ذمہ لازم نہ تھی۔

پھر اس کے بعد ہے۔

بخلاف المستامن فی دار الحرب فان لہ اخذ مالھم برضائھم ولو بربا او قمار	جو مسلمان امن حاصل کرکے دارالحرب میں رہتا ہو اس کو حربیوں کا مال ان کی رضامندی سے لینا جائز ہے خواہ سود یا جوا سے ہو۔

اسی طرح اگر ایک شریک دارالحرب میں اور دوسرا دارالاسلام میں رہتا ہے لیکن سوکرہ کا معاملہ حربی شریک کرتا ہے تو بھی جائز ہے۔

یاخذ منہ بدل الھالک ویرسلہ الی	حربی شریک ہلاک ہونے والے مال کا بدل وصول کرکے

---

[۱] حاشیہ عقد التامین صہ ۱۵ مصطفے زرقار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

التاجر فالظاهر ان هذا يحل للتاجر اخذه — دارالاسلام میں رہنے والے تاجر شریک کو روانہ کرتا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا لینا جائز ہے۔

دارالاسلام عہ چونکہ احکام شرعیہ کے نفاذ کا محل ہے اس بنا پر وہاں مسلم وغیر مسلم کسی سے شریعت کے خلاف کوئی معاملہ جائز نہیں جبکہ دارالحرب میں ہنگامی حالات کی وجہ سے شریعت کی خلاف ورزی کی گنجائش ہے جیسا کہ ابن عابدینؒ کہتے ہیں:

عہ جدید بین الاقوامی حالات کے پیش نظر دارالاسلام و دارالحرب کی تعریف وضع کرنا ضروری ہے جب تک یہ تعریف نہ وضع ہو علماء کو درج ذیل تقسیم اور اس پر مبنی احکام پر غور کرنا چاہیے۔

دارالحرب کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کامل اور (۲) ناقص

کامل وہ جس میں نہ مسلمانوں کو سیاسی قوت حاصل ہو اور نہ ان کے شعائرِ دینی محفوظ ہوں۔

ناقص وہ جس میں سیاسی قوت اگرچہ نہ حاصل ہو لیکن شعائرِ دینی محفوظ ہوں۔

پہلی قسم کے دارالحرب میں ہنگامی حالات کے قانون نافذ ہوں گے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں یعنی حربی عوام اور حکومت سے بدعہدی وخیانت کے بغیر مالیات میں جوا، سود وغیرہ تمام عقودِ فاسدہ کی اجازت ہوگی۔

دوسری قسم کے دارالحرب میں یہ اجازت دو طرح سے محدود ہوگی۔

(الف) صرف حکومت سے (قانون کے مطابق) معاملات میں ہوگی عوام سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔

(ب) صرف ان معاملات میں ہوگی جن کی معاشی استحصال پر قابو پانے اور قومی مورال "MORALE" برقرار رکھنے میں ضرورت ہوگی تمام عقودِ فاسدہ سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔

اس تقسیم کے لحاظ سے ناقص دارالحرب میں بھی عوام کی معاشی حالت سدھارنے کے لئے حکومت کی فراہم کردہ تمام سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوگی اگرچہ ان میں ایسی چیزوں کی آمیزش ہو (سود وغیرہ) جن سے شرعاً معاملات فاسد ہو جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالاسلام میں حربیوں سے وہی معاملات جائز ہیں جو مسلمانوں سے جائز ہیں چنانچہ جو حربی امن حاصل کر کے دارالاسلام میں ہو اس سے شریعت کے خلاف کوئی معاملہ جائز نہیں ہے کیونکہ دارالاسلام احکام شرعیہ کے نفاذ کا محل ہے۔

اسی طرح حربیوں سے کوئی چیز لینا درست نہیں جس کو شریعت نے لازم نہ کیا ہو اگرچہ پہلے سے اس کے لینے کا رواج ہو جیسے بیت المقدس کے زائرین سے کچھ لینے کا رواج ہے۔[1]

مفتی عبدہ مصریؒ نے بیمہ کو جائز کہا ہے

مصر کے مشہور مفتی محمد عبدہ (پیدائش سنہ ۱۲۶۶ھ سنہ ۱۸۴۹ء وفات سنہ ۱۳۲۳ھ سنہ ۱۹۰۵ء) نے عقد مضاربت پر قیاس کر کے بیمہ کو جائز قرار دیا چنانچہ سنہ ۱۳۱۹ھ میں انھوں نے یہ فتویٰ دیا۔

عمل شركات التامين على الحياة عمل مباح لان اتفاق الشخص مع اصحاب شركة التامين هو من قبيل المضاربة وهى جائزة[2]	کمپنی سے بیمۂ حیات کا معاملہ کرنا مباح ہے کیونکہ کمپنی والوں سے یہ معاملہ شرکت مضاربت جیسا ہے جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

مضاربت شرکت کی ایک قسم ہے جس میں ایک فریق سرمایہ فراہم کرتا اور دوسرا فریق کاروبار کرتا ہے۔

مفتی محمد بخیتؒ نے بیمہ کو ناجائز کہا ہے

مصر کے مفتی محمد بخیت مطیعی (پیدائش سنہ ۱۲۷۱ھ سنہ ۱۸۵۴ء وفات سنہ ۱۳۵۴ھ سنہ ۱۹۳۵ء) نے بیمہ کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور سنہ ۱۳۲۴ھ سنہ ۱۹۰۶ء میں انھوں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

ان ضمان الاموال شرعا يكون باحد طريقين اما بطريق الكفالة اما بطريق التعدى او الاتلاف وان عقد السيكورتاه	شرعی حیثیت سے مال کا ضمان دو طرح لازم آتا ہے (۱) ضمانت لی ہو (۲) مال کی ہلاکت میں اس کا دخل ہو۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد باب المستامن فصل فی استئمان الکافر۔

[2] مجلہ المحاماۃ (السنۃ الخامسۃ ص ۵۶۳) از التامین ص ۴۷، محمد سید دسوقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(التامین) لاتنطبق علیہ شرائط الکفالۃ کما ان ھلاک المال المؤمن علیہ لایکون بتعد من شرکۃ التامین فلا محال لایجاب الضمان علیھا اذا ھلک المال المومن علیہ لعدم تواتر اسباب الضمان شرعاً[1]

بیمہ میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتی ہیں کیونکہ اس میں نہ ضمانت کی شرطیں ہیں اور نہ بیمہ شدہ مال کی ہلاکت میں کمپنی کو دخل ہے اس بنا پر ہلاکت کی صورت میں ضمان کے وجوب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مفتی بخیت نے رسالہ میں کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ ابن عابدینؒ کی مذکورہ دلیل (التزام مالا یلزم) سے بیمہ کو عقد فاسد قرار دے کر دارالاسلام میں ناجائز اور دارالحرب میں اس کو جائز کہا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ہلاک ہونے والے مال کا تاوان لینا دارالاسلام میں جائز نہیں ہے البتہ اگر بیمہ کمپنی دارالحرب میں یہ تاوان ادا کرے تو اس کا لینا حلال ہے کیونکہ خیانت و بدعہدی کے بغیر دارالحرب میں حربی کی رضامندی سے اس کا مال لینے میں مضائقہ نہیں ہے[2]۔

ابن عابدینؒ سے صرف ایک صورت میں مخالفت پائی جاتی ہے وہ یہ کہ اگر سوکرہ کا معاملہ دارالاسلام میں ہو اور ہلاک ہونے والے مال کا بدل دارالحرب میں وصول کیا جائے تو مفتی بخیتؒ کے نزدیک وصولیابی کی جگہ کا لحاظ کر کے یہ معاملہ جائز ہے جبکہ ابن عابدینؒ کے نزدیک عقد کی جگہ (دارالاسلام) کا لحاظ کر کے ناجائز ہے[3]۔

شیخ عبدالرحمٰن قراعہؒ نے بیمہ کو ناجائز کہا ہے

مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن قراعہ نے ۱۹۲۵ء میں جب آگ کے بیمہ کا فتویٰ لیا گیا تو انھوں نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور دلائل میں شیخ بخیت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کہا کہ

---

[1] حاشیہ عقد التامین ص ۱۹ ۔ مصطفیٰ زرقاء

[2] عقد التامین [3] رسالہ احکام السوکرتاہ ص ۱۵ از التامین ص ۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان هذا العمل معلق على خطر تارة يقع وتارة لا يقع فيكون قمارًا معنى يحرم الاقدام عليه شرعًا[1]

یہ کام خطرہ پر معلّق ہے کبھی خطرہ پیش آتا ہے اور کبھی نہیں پیش آتا یہ معنیً جوا ہے شرعًا اس کا کرنا حرام ہے۔

شیخ احمد ابراہیم نے بیمہ کو ناجائز کہا ہے

مصر کے مشہور فقیہ احمد ابراہیم (پیدائش ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء) نے عقد مضاربت پر قیاس کو باطل ٹھہراتے ہوئے بیمۂ زندگی کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ان عقد التامين على الحياة لا موازنة بينه وبين عقد المضاربة المشروعة وان ذلك العقد فاسد شرعًا لان عنصر الربا متحقق فيه كما ان حصول الورثة على مبلغ التامين قبل اداء الاقساط جميعها مقامرة ومخاطرة[2]

بیمۂ زندگی اور مضاربت کے درمیان کوئی برابری نہیں ہے کیونکہ سود کی وجہ سے یہ معاملہ فاسد ہے نیز پوری قسط ادا کرنے سے پہلے وفات کی صورت میں ورثا زر بیمہ کی کل رقم وصول کرتے ہیں یہ جوا اور مخاطرہ ہے۔

فقیہ ابوالحسن نے بیمۂ اموال کو جائز کہا ہے

مشہور مالکی فقیہ ابوالحسن الحجوی (وفات ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۶ء) نے مختلف اعتراضات کا جواب دیکر بیمۂ اموال کو جائز قرار دیا ہے۔

التامين ليس قمارًا ولا ميسرًا وهذا صحيح[3]

بیمہ نہ قمار ہے اور نہ میسر (عام وخاص) ہے یہی صحیح ہے۔

پھر اس کے بعد کہتے ہیں کہ

صحیح ہونے کا فیصلہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کو اجتماعی تعاون کی شکل قرار دیا جائے اور اگر اس کو صرف ایک تجارتی معاملہ قرار دیا گیا تو جوا اور مخاطرہ (خطرہ کے راستہ مال کا مالک بنانا) کے شبہ کی نفی ممکن نہیں ہے[4]

---

[1] مجلۃ المحاماۃ السنۃ الخامسۃ ص ۴۶۶ [2] مجلۃ الشبان المسلمین نومبر ۱۹۴۱ء

[3] الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی جزء رابع عنوان مسالہ عمت بہا البلویٰ [4] ایضاً۔ از التامین محمد ابوالحسن الحجوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موسیٰ جار اللہ نے بیمہ کو مستحسن کہا ہے

روس کے مشہور عالم موسیٰ جار اللہ نے ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۳ء میں بیمہ کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا اور اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس[1] کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے :

ان التامین و تاسیس شرکة التامین احسن نافع مطلوب لایمکن ان یرتاب فیه نقیه ناصح امین۔

بیمہ کرانا اور بیمہ کمپنی قائم کرنا احسن اور نافع ہے کسی امانت دار اور خیرخواہ نقیہ کو اس میں شک نہ کرنا چاہیے۔

رسالہ میں بیمہ کے جواز کے درج ذیل اصول مذکور ہیں۔

(۱) النصیحة — نصیحت جس کے معنی خیرخواہی کرنا

بیمہ میں چونکہ خیرخواہی پائی جاتی ہے اس بناء پر جائز ہے۔

(۲) الرعایة — رعایت جس کے معنی حقوق کی نگہبانی کرنا

بیمہ میں چونکہ حقوق کی نگہبانی موجود ہے اس لئے جائز ہے۔

(۳) الکفالة — کفالت جس کے معنی ذمہ دار ہونا

کفالت کی دو قسمیں ہیں

(الف) خاص اور

(ب) عام

خاص کفالت میں کوئی شخص کسی کو اپنی ذمہ داری میں لے کر اس کا کفیل بنتا ہے جبکہ عام کفالت میں معاشرہ کا ہر فرد دوسرے کا کفیل بن کر اس کی اصلاح و نفع رسانی کا اہتمام کرتا ہے۔

بیمہ میں چونکہ معاشرتی کفالت پائی جاتی اور اسلام میں اس پر کافی زور دیا گیا ہے اس لئے بیمہ کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

---

[1] رسالة فی تامین الحیاة و تامین الاموال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اس کے بعد کہتے ہیں :

ان الاشتراك فى الشركة اختيارى وضمان الخسارة عند وقوع الاخطار من المجموع المشترك تعاون وتكافل وليس الضمان بربح للمبالغ المدفوعة والشركة اذا استعملت واستخدمت المال المجموع فى امور نافعة او فى التجارة فالتجارة مضاربة والارباح ارباح مضاربة صحيحة وليست بربا حرمه القرآن والضمان ليس بربح للمبلغ المدفوع وانما هو عون يدفع الخسار واذا امن احد حياته اليوم بالفين على ان يدفع كل شهر خمسة ومات من الغد فان الشركة تدفع لورثته الالفين ولا يمكن ان يعتبر الالفان بربح خمسة فى يوم واحد۔[1]

بیمہ کمپنی میں شرکت اختیاری ہے اور کمپنی حادثہ کے وقت مشترکہ مجموعی رقم سے جو نقصان کی تلافی (ضمان) کرتی ہے وہ تعاون وتکافل کی صورت ہے۔

یعنی جس رقم سے نقصان کی تلافی کی جاتی ہے وہ امدادی ہوتی ہے ادا کی ہوئی اقساط سے کمائے ہوئے نفع کی رقم نہیں ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص دو ہزار پر زندگی کا بیمہ اس شرط پر کراتا ہے کہ پانچ روپیہ ماہوار قسط ادا کرتا رہے گا لیکن دوسرے ہی دن بیمہ دار کا انتقال ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں کمپنی ورثار کو دو ہزار ادا کرنے کی ذمہ دار ہے ظاہر ہے کہ یہ دو ہزار کی رقم ایک دن کی قسط پانچ روپیہ کا نفع نہیں قرار پا سکتی۔ کمپنی اقساط کی رقم کو نفع مند کام اور تجارت میں لگاتی ہے یہ مضاربت کی شکل ہے اور اس سے حاصل کیا ہوا نفع مضاربت کا نفع ہے سود نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حرام کیا ہے۔

فقیہ محمد یوسف موسیٰؒ نے بلاسودی بیمہ کو جائز کہا ہے

مصر کے مشہور فقیہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ (پیدائش جون ۱۸۹۹ء وفات اگست ۱۹۶۳ء) نے بیمہ زندگی کو باہمی تعاون کی ایک شکل قرار دیکر غیر سودی بیمہ کو جائز کہا ہے یعنی کمپنی نہ سودی کاروبار کرے اور نہ بیمہ دار کو ادا کی ہوئی

---

[1] رسالة فى تامين الحياة وتامين الاموال ص ۱۰ تا ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رقم سے زائد (منافع) واپس کرے چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

ان التامین حلال اذا مادستہ شرکات لاتتعامل بالربافی استغلال مالدیہامن اموال اوفی اعطاء المستامنین مبالغ التامین[1]

بیمہ حلال ہے جبکہ ایسی کمپنیاں ہوں جو نفع حاصل کرنے کے لئے سودی کاروبار نہ کریں نیز بیمہ دار کو واپسی کے وقت اصل رقم سے زائد نہ واپس کریں۔

دوسری جگہ ہے

ان فی التامین تعاوناً محمودا بلاریب کما قلنا من قبل ولیس فی ھذا حرمۃ طبعا ولکن الحرمۃ تجیٔ بما تسیر علیہ الشرکات حسب قوانینھا ونظمھا من التعامل بالربا[2]۔

بیمہ میں بلاشبہ عمدہ قسم کا تعاون ہے جیساکہ ہم نے پہلے کہا اس میں فی نفسہ حرمت نہیں ہے بلکہ حرمت کمپنی کے سودی نظم وقانون سے پیدا ہوتی ہے۔

پھراس کے بعد بیمۂ اموال کے بارے میں ہے

ھذا بخلاف تامین البضائع ضد اخطار الطریق والمتاجر ضد الحریق والسرقۃ مثلاً فقد یری رجال الاقتصاد انہ ضرورۃ اقتصادیۃ فی ھذا العصر[3]۔

بخلاف تجارتی مال ودوکان کے کہ لوٹنے جلنے اور چوری وغیرہ کے اندیشہ سے ان کے بیمہ کرانے کی اقتصادی ضرورت ہے جس کو اس زمانہ میں ماہرین اقتصادیات بھی تسلیم کرتے ہیں۔

استاد احمد طہ سنوسی نے مسئولیاتی بیمہ کو جائز کہا ہے

استاد احمد طہ سنوسی نے مسئولیاتی (ذمہ داری) بیمہ کو عقد موالاۃ پر قیاس کر کے جائز کہا ہے

---

[1] الاسلام والحیاۃ ص ۲۱۶

[2،3] الاسلام ومشکلاتنا الحاضرۃ ص۶۶ عقد التامین فی التشریع الاسلامی از مجلۃ الازہر جلد ۲۵ اکتوبر و نومبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لایری باساً فی جواز ذلک التامین | وہ اس بیمہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے۔

التامین علی المسئولیۃ وھو ما یھمنا ھنا صحیح وجائز قانوناً[۲] | مسئولیاتی بیمہ جو اس جگہ زیر بحث ہے وہ قانوناً صحیح اور جائز ہے۔

مجلہ الازہر کے ایڈیٹر محب الدین الخطیب نے احمد طہ سنوسی کے اس موقف پر اعتراض کیا اور مسئولیاتی بیمہ کو عقد موالاۃ پر قیاس کرنے کو درست نہیں تسلیم کیا۔[۲]

عقد موالاۃ زمانہ جاہلیت میں ایک معاہدہ تھا جس کی بنا پر ایک شخص دوسرے کی دیت (خون کی قیمت) وغیرہ کی ذمہ داری لیتا اور مرنے کے بعد (ورثار کی عدم موجودگی میں) اس کے ترکہ کا مستحق ہوتا تھا۔ احادیث کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا تھا۔

استاذ عبدالرحمٰن عیسیٰ نے بیمہ کو جائز کہا ہے

استاذ عبدالرحمٰن عیسیٰ نے بیمہ کی دو قسمیں کی ہیں (۱) تامین تبادلی اور (۲) تامین تجاری۔ تامین تبادلی میں ہر شریک ایک خاص رقم اس غرض سے جمع کرتا ہے کہ نقصان کے وقت اس رقم سے تلافی کی جائے اور جس کا نقصان نہ ہو وہ رقم کی واپسی کی امید نہ رکھے۔ تامین تجاری میں تجارتی بنیاد پر قسط وار ادائگی ہوتی ہے جیسا کہ مروج ہے۔

پہلے کو باہمی تعاون اور دوسرے کو معاشی کاروبار کی ایک شکل (جس سے طرفین کو فائدہ پہنچتا ہے) قرار دیکر دونوں کو جائز کہا ہے۔

چنانچہ "تبادلی" کے بارے میں ہے۔

انہ جائز شرعا بل مرغب فیہ لانہ من | وہ شرعاً جائز بلکہ مرغوب ہے کیونکہ اس کے ذریعہ

---

[۱] عقد التامین فی التشریع الاسلامی احمد طہ سنوسی از مجلۃ الازہر جلد ۲۵ اکتوبر و نومبر

[۲] مجلۃ الازہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبیل التعاون علی درء الشدائد والکوارث[۱] — شدائد و حوادث کے دفعیہ میں مدد ملتی ہے۔

تامین تجاری کے بارے میں کہتے ہیں۔

فقد حکم علیه بانه مباح شرعاً[۲] — شرعی حکم اس کے مباح ہونے کا ہے۔

شیخ عبدالمنعم نے بیمہ کمپنیوں سے ناجائز اور حکومت کی قائم کردہ تنظیموں سے جائز کہا ہے

استاذ شیخ عبدالمنعم نمر نے بیمہ کمپنیوں سے بیمہ کو ناجائز اور حکومت کی قائم کردہ تنظیموں سے جائز کہا ہے چنانچہ عدم جواز کے مذکورہ بعض وجوہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

ننتج من هذا ان المعاملة قائمة علی الضرر وعلی کسب مال دون کد — اسی وجہ سے ہمارا خیال ہے کہ یہ معاملہ دھوکہ اور بغیر مشقت کی کمائی پر مبنی ہے۔

پھر اس کے بعد ہے۔

ومن اجل هذا ینظر الاسلام الی التامین نظرته الی معاملة غیر مشروعة — اسی وجہ سے اسلام کی نظر میں بیمہ غیر مشروع معاملہ سمجھا جاتا ہے۔

مفتی عبدہ مصری (جواز کے قائل ہیں) پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

امام شیخ محمد عبدہؒ مصری کی طرف سے بیمہ کے حلال ہونے کا (شائع شدہ) فتویٰ غلط ہے

حکومت چونکہ مختلف انتظامات کے ذریعہ عوام کی نگرانی و مالی کفالت کی ذمہ دار ہے (جبکہ اصولاً کمپنی پر عوام کی نگرانی و مالی کفالت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے) اس بنا پر ان کے نزدیک حکومت کی قائم کردہ تنظیموں سے بیمہ کرانا جائز ہے

ان الحکومة راع اکبر ومسئولة عن رعایاها[۱] — حکومت سب سے بڑی نگران اور رعایا کی ذمہ دار ہے

پھر اس کے بعد ہے

حکومت و عوام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بڑے خاندان کا سربراہ کار افراد سے

۱، ۲ المعاملات الحدیثة واحکامہا ص ۹۰ عبدالرحمن عیسیٰ از التامین ص ۹۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ رقم لے کر جمع کرتا رہے اور حاجت و ضرورت کے وقت ان پر خرچ کرے۔

فلکل فرد اذن من افراد الدولة حق	ایسی صورت میں حکومت کے خزانہ میں ہر فرد کا
فی مالیتها العامة فاذا اخذ الفرد منها	حق ہے جب کسی نے خزانہ سے مال لیا تو اپنا
مالا فمن حقه اخذ لان الدولة فی	حق وصول کیا کیونکہ حکومت ہر فرد کے حقوق کی
المسئولة عنه والراعية لشئونه	محافظ و ذمہ دار ہے کمپنی پر یہ نگرانی و ذمہ داری
وهذا الاعتبار غير قائم فی الشركات[1]	نہیں ہے۔

بیمہ پر ۱۹۵۵ء کی مجلس مذاکرہ

۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء میں بیمہ پر گفتگو کے لئے مصر میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی جس میں اس وقت کے ممتاز علماء نے شرکت کی ان میں بعض جواز اور بعض عدم جواز کے قائل تھے۔

ذیل میں مجلس کی وہ باتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے بیمہ کے بعض اہم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔

جواز پر گفتگو کا خلاصہ

جواز پر گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

بیمہ کی غرض آمدنی کے ایک حصہ کو محفوظ کرنا ہے تاکہ وہ ضرورت کے وقت کام آسکے۔ یہ آمدنی کے پس انداز کرنے کا ایک اختیاری معاملہ ہے جس سے نہ زندگی کی ضمانت حاصل ہوتی اور نہ تقدیر کی مخالفت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کو "تامین علی الحیاة" کے نام سے موسوم کرنا غلط ہے کیونکہ اس نام کی بناء پر تقدیر سے مقابلہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔

بیمہ ایک جدید معاملہ ہے جس کا قرآن و سنت میں صراحۃً ذکر نہیں ہے لازمی طور سے اس کے حل کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہوگی جس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) بیمہ کے نظام کو شریعت کے عمومی قواعد پر منطبق کر کے کسی ایسی نظیر پر قیاس کیا جائے

---

[1] الاسلام والشیوعیہ ص ۲۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو نص صریح سے ثابت ہو۔

(ب) بیمہ کے مصالح ومفاسد پر غور کر کے ان طریقوں سے فائدہ اٹھایا جائے جو غیر منصوص احکام میں اجتہاد کے لئے مقرر ہیں۔

شہری ضرورت سے جن معاملات کا تعلق ہے ان میں اجتہاد کا بنیادی اصول حصولِ مصالح اور دفع مضار ہونا چاہیئے یعنی اگر ان سے نفع محض حاصل ہوتا یا ان کے نقصان پر نفع کا غلبہ رہتا ہے تو مباح ہوں گے۔ اور اگر ان میں ضرر محض پایا جاتا یا ان کے نفع پر نقصان کا غلبہ ہے تو ناجائز ہوں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام[1] اسلام میں نہ نقصان اٹھانا اور نہ نقصان پہنچانا ہے۔

اعتراض وجوابات

اس گفتگو میں مسئلۂ بیمہ کو "مضاربت" کے تحت حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس صورت میں درج ذیل اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

(۱) شرکتِ مضاربت میں نفع کی مقدار نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ نسبت سے طے ہوتی ہے مقررہ رقم سے نفع کی مقدار طے نہیں کی جاتی کہ تجارت میں خواہ جس قدر نفع ونقصان ہو اس مقدار (مثلاً ہزار دو ہزار) ماہانہ یا سالانہ ایک فریق کو لازمی طور سے نفع دیا جائے گا جبکہ بیمہ میں نفع کی مقدار نسبت سے نہیں بلکہ مقررہ رقم سے طے ہوتی ہے۔

(۲) کمپنی بیمہ دار سے اقساط کی شکل میں جو رقم وصول کرتی ہے اس سے وہ جائز وناجائز ہر طرح نفع کماتی ہے مثلاً تجارت وعمارت میں لگانے کے علاوہ نفع پر قرض دیتی ہے جو سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب مفتی عبدہٗ مصری کے حوالہ سے یہ دیا گیا ہے کہ

جس سود کی حرمت نص صریح سے ثابت اور شک وشبہ سے بالاتر ہے اس میں مضاربت

---

[1] ابن ماجہ ودار قطنی وموطا امام مالک باب الاقضیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یہ صورت داخل نہ ہوگی جس میں نفع نسبت کے بجائے مقررہ رقم سے طے ہو۔ نسبت سے طے ہونے کی شرط مصلحت کی بنا پر ہے جس کی مخالفت میں چنداں مضائقہ نہیں ہے[1]۔

پھر اس کے بعد کہا گیا ہے

علا ان اشتراط ان یکون الربح نسبیا لا لاقدراً معیناً خالف فیہ بعض المجتہد بن من الفقہا ولیس مجمعا علیہ[2]۔	اس کے علاوہ نسبت سے نفع طے ہونا فقہاء کے درمیان متفقہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ بعض کے نزدیک مقررہ رقم سے طے ہونے کی گنجائش ہے۔ (یہ بات محل نظر ہے)

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سودی قرض لینے کی حرمت سدّ ذریعہ کے قبیل سے ہے اور جو حرمت اس طرح کی ہو وہ حاجت و ضرورت کے وقت باقی نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ فقہاء کا یہ اصول ہے۔

الضرورات تبیح المحظورات[3]	ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔

اسی بنا پر حاجتمند کو سودی قرض لینے کی اجازت دی گئی۔

ویجوز الاستقراض بالربح للمحتاج[4]	حاجتمند کو نفع (سود) پر قرض لینے کی اجازت ہے۔

اور بخاریٰ و مصر وغیرہ میں بیع الوفاء کو جائز قرار دیا گیا جبکہ اس میں سود کی شکل پائی جاتی ہے۔

الافتاء بصحۃ بیع الوفاء حین کثر الدین علی اھل بخاریٰ وھکذا المصر وقد سموہ بیع الامانۃ[5]	بخاریٰ والوں پر جب قرض زیادہ ہوگیا تو بیع الوفاء کے جواز کا فتویٰ دیا گیا۔ اسی طرح مصر میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا مصریوں نے اس کا نام بیع الامانۃ رکھا تھا۔

بیع الوفاء کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس میں مشتری خریدی ہوئی چیز سے بغیر کسی عوض وحق کے فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ شرط یہ ہوتی ہے کہ بائع جب قیمت لوٹا دے تو خریدار کو وہ چیز بعینہ واپس کرنی پڑے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتفاع سود کی شکل ہے جو شرعی لحاظ سے ناجائز ہے۔

---

[1] المنارج ص ۱۱۶ ج ۳ [2] لوار الاسلام ص ۱۱ مارچ ۱۹۵۵ء

[3،4،5] الاشباہ والنظائر ابن نجیم ص ۱۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدم جواز پر گفتگو کا خلاصہ

مجلس مذاکرہ میں عدم جواز پر گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

بیمہ ایک جدید عقد ہے جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی ہے۔ جدید عقد میں اجتہاد کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ کسی قدیم عقد کی موافقت یا مشابہت پائی جائے نیز دونوں کے درمیان حکم پر اثر انداز ہونے والا کوئی جوہری فرق نہ ہو تو قدیم کے ساتھ جدید کو ملحق کر دیا جائے گا۔

"بیمہ" چونکہ کسی قدیم عقد کے موافق یا مشابہ نہیں ہے اس بنار پر کسی کے ساتھ ملحق کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

بعض حضرات نے اس کو عقد مضاربت کے ساتھ ملحق کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے مجھے اتفاق نہیں ہے کیونکہ دونوں کے درمیان کئی جوہری فرق ایسے موجود ہیں جن سے حکم کی یکسانیت باقی نہیں رہ سکتی۔ مثلاً

(۱) مضاربت میں شرط ہے کہ نفع کی مقدار نسبت سے طے ہو اس کی تحدید وتعیین نہ کی جائے جبکہ بیمہ میں نفع کی تحدید وتعیین ہوتی ہے۔

(۲) مضاربت میں اگر خسارہ ہو تو وہ صاحب سرمایہ کو برداشت کرنا پڑتا ہے جبکہ بیمہ میں بیمہ دار (گویا صاحب سرمایہ) کو خسارہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

(۳) مضاربت میں اگر صاحب سرمایہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے وارث لگائے ہوئے سرمایہ کے حقدار ہوں گے زائد کے (بحیثیت اصل سرمایہ) مستحق نہ ہوں گے جبکہ بیمہ دار کے ورثار طے شدہ رقم (زر بیمہ) کے حقدار ہوں گے۔ خواہ کتنے ہی کم مقدار سرمایہ (قسط کی شکل میں) بیمہ دار نے لگایا ہو۔

(۴) بیمہ مستقبل کے امکانی حادثات وناگہانی خطرات میں مالی کفالت کرتا ہے حالانکہ کسی عقد میں کفالت کی یہ شکل نہیں پائی جاتی ہے۔

غرض ان وجوہات کی بنار پر بیمہ کو عقد مضاربت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ درج ذیل وجوہ کی بنار پر بیمہ ناجائز ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) اس میں جوا پایا جاتا ہے کہ بیمہ دار مثلاً ۵۰ روپیہ کی ایک قسط ادا کرنے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کے ورثار یا نامزدگان زرِ بیمہ کی پوری رقم پانے کے مستحق ہوتے ہیں جو جوا کی ایک شکل ہے۔

(۲) اس میں سود پایا جاتا ہے کہ اقساط کی شکل میں جس قدر رقم ادا کی جاتی ہے زرِ بیمہ کی شکل میں اس سے زائد کی واپسی ہوتی ہے۔

(۳) بعض صورتوں میں بیمہ دار کی رقم سوخت ہو جاتی اور بعض میں ادا کی ہوئی رقم سے کم واپس ملتی ہے مثلاً دو سال کا پریمیم ادا کرنے سے پہلے قسط دینا بند کر دے یا دو سال کی ادائیگی کے بعد پالیسی کو سرینڈر "SURENDER" کر دے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

(۴) ایک معاملہ میں دو معاملہ (۱، بیمہ دار کا معاملہ (۲) ورثار یا نامزدگان کا معاملہ) کی شکل پائی جاتی ہے جس کی ممانعت ہے۔

(۵) قانون میراث کی مخالفت پائی جاتی ہے کیونکہ نامزدگان کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ وارث ہی ہوں غیر وارث بھی ہوتے ہیں۔

جواب الجواب جواز کی گفتگو میں جن بعض اعتراض کے جواب دئے گئے تھے ان کے جواب الجواب یہ ہیں۔

(۱) مضاربت کے نفع کی تقسیم کے بارے میں اعتراض کا جواب مفتی عبدہٗ مصری کی ذاتی رائے سے دیا گیا تھا جس کو عام فقہار کی رائے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

(۲) سودی قرض لینے کی حرمت سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ بیمہ میں نفع کی شکل "ربانسیہ" جیسی ہے جو اصلاً حرام ہے "سد ذریعہ" کے قبیل سے اس کی حرمت نہیں ہے۔

(۳) حاجتمند کو شدید ضرورت کے وقت سودی قرض لینے کی اجازت سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ بیمہ میں گفتگو قرض دینے کی ہے نہ کہ لینے کی۔

(۴) بیع الوفار کے جواز و عدم جواز میں فقہار کے درمیان کافی اختلاف ہے اس بنار پر اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاصہ یہ کہ بیمہ شرعاً ناجائز اور اس سے پرہیز ضروری ہے۔

الخلاصة انی اریٰ ان عقود التامین غیر جائزة شرعاً ان عقد اختلف فیہ اراء العلماء الی ھذا الحد من الاحوط للمسلم ان یجتنبہ[۱]

خلاصہ یہ کہ عقد تامین (بیمہ) شرعاً ناجائز ہے اور جس عقد میں علماء کے درمیان اس قدر اختلاف ہو اس سے پرہیز کرنے میں مسلمانوں کے لئے زیادہ احتیاط ہے

(باقی آئندہ)

---

[۱] لواء الاسلام مارچ ۱۹۵۵ء

اسلام کا نظامِ حکومت

اس کتاب میں اسلام کی ریاست عامہ کا مکمل دستور اساسی اور مستند ضابطۂ حکومت پیش کیا گیا ہے یہ عظیم الشان تالیف اسلام کا نظامِ حکومت ہی پیش نہیں کرتی بلکہ نظریۂ سیاست و سلطنت کو بھی منظرِ عام پر لاتی ہے۔ طرزِ تحریر زمانۂ حال کے تقاضوں کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہے۔

صدیوں سے جو غلط نظریے اسلام کی طرف منسوب ہو گئے ہیں ان کی تردید کے لئے ایک خاص اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ہمارے لٹریچر میں یہ پہلی کتاب ہے جو قانونِ قرآن، قانونِ نبوت، دستورِ صحابہ کے علاوہ اسلام کے علمائے اجتماعیات کی بے شمار کتابوں اور عصرِ حاضر کے نوشتوں کے مطالعہ اور سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد سامنے آئی ہے۔

مؤلف: حامد الانصاری غازی

صفحات ۴۶۴، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت مجلد نو روپے

مکتبۂ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com